

اُمّت مسلمہ کو درپیش چیلنج اور ہماری ذمہ داری

ڈاکٹر انیس احمد

اُمّت مسلمہ کے حال اور مستقبل کے بارے میں جب کبھی گفتگو کی جاتی ہے تو ایک سوال یہ اٹھایا جاتا ہے کہ ہم کس اُمّت مسلمہ کی بات کر رہے ہیں؟ کیا اُس اُمّت مسلمہ کی جس کے جسم سے گذشتہ ۲۰ سالوں سے کشمیر اور فلسطین میں مسلسل خون بہرہ رہا ہے مگر اپنے زخموں کی کمک اور درد اسے ابھی تک بیدار نہیں کر سکی، نہ زخموں کے علاج کے لیے وہ اُنھوں کو درپیش تدبی کرنے پر آمادہ ہو سکی ہے۔ کیا اس اُمّت مسلمہ کی بات کی جاری ہی ہے جو ۷۵ نام نہاد آزاد ممالک کے ہونے کے باوجود اسلامی تنظیم اور آئی سی نامی کاغذی ادارے میں کوئی متعدد و مشترک حکمت عملی وضع نہ کر سکی، یا اُس اُمّت مسلمہ کی بات کی جاری ہے جسے قرآن کریم نے 'خیر اُمّت' قرار دیتے ہوئے عالمی مشن اور ذمہ داری کے ساتھ برپا کیا اور جس نے تاریخ کے مختلف ادوار میں انسانی تہذیب و ثقافت میں ایسے گراں قدر اضافے کیے جن کے اثرات آج تک پائے جاتے ہیں۔

اسلامی فکر یاں و مایوسی کو کفر قرار دیتی ہے اور حالات کے نامساعد ہونے کے باوجود ہر مسلمان سے مطالبه کرتی ہے کہ وہہ امید رہے اور ثابت طرز فکر کے ساتھ اپنا اور گرد و پیش کا جائزہ لے کر اپنی جدوجہد اللہ کے بھروسے پر جاری رکھے اور مایوسی کو اپنے پاس بھی پھٹکنے نہ دے۔

اس پہلو سے اگر دیکھا جائے تو جس شدت اور تسلسل کے ساتھ اُمّت مسلمہ کے دشمن اس پر ہرزاویے سے یلغار کر رہے ہیں وہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اُمّت مسلمہ نہ مُردہ ہے، نہ ایک

غیر محسوس وجود (non-entity) ہے بلکہ ان جابر اور ظالم قوتوں کے لیے جو پہ زعمِ خود یک قطبی طاقت ہونے کے دعوے کرتی ہیں، ایک لپکتا ہوا شعلہ ہے جس کی تپش اور خطرناکی نے طاغوت کی نیند حرام کر دی ہے۔ مرید غور کیا جائے تو اپنے نکست خور دگی کے احساس کے باوجود، آج جو امت مسلمہ ہمارے اروگرد پائی جاتی ہے اس میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ یک قطبی طاقت کے لاذے اسرائیل کو ۳۳۰ دن تک لبنان کے سرحدی علاقے میں مقابلے کے بعد پا کر دے۔ یہ وہی امت مسلمہ ہے جو ۷۰ سال تک ترکی میں لا دینیت کو سرکاری مذہب کے طور پر بے اکراہ برداشت کرنے کے بعد پہ آئن اور جمہوری ذرائع سے ملک کی سمت اور ملکی پالیسی کے رخ کو دین کی طرف موزوکی ہے۔ جہاں ۷۰ سال پہلے نقاب اور جباب کو منوع قرار دیا گیا تھا، آج وہاں امت کی لاکھوں بیٹیاں بازاروں میں، جامعات میں اور صنعتی اداروں میں فخر کے ساتھ اسکارف کو اپنی پہچان کے طور پر استعمال کر رہی ہیں۔ یہ وہی امت مسلمہ ہے جسے اس کے دشمن بھی مجبر انسوکلر قوت کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔

امت کا انتشار: بے لارگ جائزے کی ضرورت

ضرورت اس بات کی ہے کہ چند لمحات کے لیے امت کے بارے میں اپنے ذہنوں میں بنائے ہوئے تقشوں کو محکر کے معروضی طور پر اور تنقیدی نگاہ کے ساتھ جائزہ لے کر دیکھا جائے کہ اصل زمینی حقائق کیا ہیں، اور امت مسلمہ کی اصل قوت کس چیز میں ہے۔ اس کی کون سی کمزوریاں ایسی ہیں جو خود پیدا کر دہیں اور کون سی ایسی ہیں جو اس پر مسلط ہو گئی ہیں۔ اس کے سامنے کون سے خطرات سر انجائے کھڑے ہیں اور ان خطرات و مطالبات کے علی الرغم، اس میں ان کے مقابلے اور ایک روشن مستقبل تغیر کرنے کی صلاحیت کہاں پائی جاتی ہے۔ جدید ادارتی علوم (Management Sciences) میں اس قسم کے جائزے کے لیے SWOT کی اصطلاح عرصہ دراز سے استعمال کی جاتی ہے جس میں قوتوں (strengths)، کمزوریوں (weaknesses)، موقع (opportunities) اور خطرات (threats) کے تفصیلی جائزے کے بعد کوئی ادارہ اپنے لیے حکمت عملی وضع کرتا ہے۔ مسلمان اہل علم کو بھی وقت فوتوں نے صرف اسلامی

تحریکات بلکہ امت مسلمہ کے حوالے سے اس قسم کا جائزہ لینا چاہیے تاکہ ہم تجزیے اور تحلیل و تقدیم کی روشنی میں اپنا لائجِ عمل طے کر سکیں اور مروجہ حکمت عملی میں مناسب اضافے اور تبدیلیاں کی جاسکیں۔ زندہ تحریکات کی پہچان یہ ہے کہ وہ دن بھر کی مشقت کے بعد استراحت سے قبل اضافہ نفس کر کے دیکھیں کہ آج کیا پایا اور کیا کھویا؟ دین اسلام نے جس جائزے، تجزیے اور تحلیل کو اضافہ کی اصطلاح سے متعارف کرایا تھا، اسی قسم کا ایک تجزیہ SWOT کی جدید اصطلاح کے سہارے بہت سے داش و ردنیا میں کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے پہیہ ایجاد کیا ہے۔ اس بحث سے قطع نظر کہ پہیہ کس نے ایجاد کیا، تجزیاتی اور تحلیلی عمل تحریکات اسلامی اور امت مسلمہ کے لیے بہت مفید ہے۔ آج جو بات امت مسلمہ کے حوالے سے کی جا رہی ہے، ضرورت یہ ہے کہ خصوصاً تحریک اسلامی ہر ماں کے بعد اس قسم کا تجزیہ کرے، چاہے اس کے نتیجے میں اپنا حکمت عملی پر اس کے اعتراض میں اضافہ ہو یا وہ اس پر نظر ٹھانی کرے۔

امت مسلمہ آج بادی النظر میں جس انتشار کا ھکار نظر آتی ہے اسے ڈو کرنے اور اس میں فکری اتحاد اور نظری و عملی یگانگت پیدا کرنے کے لیے لازمی ہے کہ پہلے تجزیہ کر کے دیکھا جائے کہ اس میں کون سے پہلو اس کی قوت کا مظہر ہیں، کمزوری کہاں پائی جاتی ہے، اسے کون سے چیخنے درپیش ہیں اور کون سے موقع ایسے ہیں جن کے لیے مناسب حکمت عملی وضع کرنے کے نتیجے میں امت مسلمہ دوبارہ قائدانہ منصب پر فائز ہو سکتی ہے۔

ہماری رائے میں حسب ذیل سات خوبیاں، امت کی قوت کا مظہر ہیں:

امت مسلمہ کی قوت

۱- قوتِ ایمانی: حقیقت یہ ہے کہ امت مسلمہ کی اصل قوت اس کی قوتِ ایمانی ہے جس سے وہ خود کم آگاہ ہے اور جس سے دشمن لرزائی رہتا ہے۔ یہی اس کی وحدت کا راز ہے اور اسی بنا پر اس قوت کو زائل کرنے کے لیے ابھی اور اس کی ذریت تخلیق انسان سے آج تک بر سر پکارا ہے۔ دورِ جدید گے بے شمار نظریات ہوں، منصوبے اور حکمت عملی ہوں، ان سب کا اصل ہدف امت کا ایمان ہے۔ جس وقت تک مسلمان اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو اپنا حامی و ناصر، محافظ و حاکم سمجھتا ہے، یہی

سے بڑی فرعونی اور طاغوتی قوت اسے سر جھکانے پر آمادہ نہیں کر سکتی لیکن جس لمحہ وہ صرف مادی اور انسانی ذرائع کو اپنی کامیابی کا ضامن سمجھتا ہے، وہ طاغوت اور باطل کے لیے ایک نرم نوال بن جاتا ہے۔ اسی ایمانی قوت کو سورہ انفال میں رب کریم نے یوں بیان فرمایا ہے: ”اے نبی! مونوں کو جنگ پر ابھارو۔ اگر تم میں سے ۲۰۰ افراد صابر ہوں تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر ۱۰۰ آدمی ایسے ہوں تو مکرین حق میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری ہوں گے۔“ (الانفال: ۸)

یہ قوت ایمانی روزِ اول سے امت مسلمہ کا اٹا شہ ہے اور آج بھی یہی وہ قوت ہے جو یک قطبی طاقت کے دل و دماغ، اسرائیل کو اس سے خائف رکھتی ہے اور ان شاء اللہ کفر و ظلم کو بخاست دینے کے لیے سب سے موثر اسلحہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس قوت کے ہوتے ہوئے امت مسلمہ کو کسی سے خائف اور لرزہ بر انداز ہونے کی ضرورت نہیں۔

۲- عالمی بیداری کی لہرو: امت مسلمہ کی قوت کا دوسرا مظہر دو رجیدید میں پائی جانے والی عالمی بیداری کی لہر ہے۔ مغربی سامراج سے سیاسی آزادی کے حصول کے ساتھ امت مسلمہ میں ان دونوں شیا، ترکی، پاکستان، شمالی افریقہ، وسط ایشیا، غرض ہر اُس خطے میں جہاں مسلمان پائے جاتے ہیں، دوسری عالمی جنگ کے فوری بعد عالمی بیداری کی ایک لہر تیزی کے ساتھ ظہور میں آئی اور ۲۰۰۷ء کے عشرے تک یہ عالمی بیداری یورپ، امریکا، جنوب مشرقی ایشیا اور آسٹریلیا تک پہنچ گئی۔ نوجوان مسلم دانش وار ہوں یا انجینئر، طبیب ہوں یا علوم عمرانی کے ماہر (سوشل سائنسز)، اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد میں شامل ہو گئے۔ یہ عالمی بیداری بعض اوقات اپنی انہما پر ہی اور بعض اوقات غیر محسوس طور پر امت مسلمہ کے اندر سرایت کرتی رہی۔ آج اس کی جھلک مغرب و مشرق میں، نہ صرف مسلم اداروں کی ٹھیکل میں بلکہ مغربی سرمایہ داروں کے اداروں میں غیر سودی کھڑکیوں کی ٹھیکل میں نظر آتی ہے۔ یہ عالمی بیداری امت مسلمہ کا ایک قوی پہلو پیش کرتی ہے کہ امت مسلمہ نہ بے جان ہے نہ مردہ بلکہ ایک قابلی لحاظ قوت رکھنے والی امت ہے۔

امت مسلمہ کی اس بیداری کو اسلام و مدنی قوتیں اپنا اصل حریف سمجھتی ہیں اور انھیں قدامت پرست، بنیاد پرست، انہما پسند غرض مختلف ناموں سے یاد کرتی ہیں۔ امریکا اور اس کے اتحادیوں کا حرکات اسلامی سے خوف اور ان کے راستے مسدود کرنے اور انھیں بر سر اقتدار نہ آنے

دینے کی کوشش امت مسلمہ کے ایک قوت ہونے کی مزید تدقیق کرتی ہیں۔ اگر واقعی امت مسلمہ ایک بے جان شے ہوتی تو کفر و ظلم کی قوتیں اپنی تمام طاقت اس کے خلاف صرف نہ کر سکتی۔ امت کی اس قوت کا خوف ہر لمحہ طاغوت کو دوسروں اور خدوں میں غلطان و پھیلان رکھے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ حق کو، چاہے وہ عددی لحاظ سے کم ہو، اس کے خلوص اور صبر کی بنا پر طاغوت کے عقیم لشکروں کے باوجود حق دیتا ہے۔ تعداد میں کم ہونے کے باوجود آج امت مسلمہ کے نوجوان دنیا کے ہر گوئے میں اسلامی نظام حیات کے قیام کے لیے سرگرم اور کوششیں ہیں۔ وہ سرمایہ دارانہ میہشت اور آمرانہ سیاست کی جگہ ایک عادلانہ نظام لانا چاہتے ہیں۔

۳- دین کا جامع تصور : امت مسلمہ کی تیسری بڑی قوت اور پچھان ۲۰ ویں صدی میں دین کی جامع تعبیر ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام کی تاریخ کے مختلف ادوار میں اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد پیدا کیے جو دین کی جامع تعلیمات کے ذریعے احیائی تحریکات کے قیام کا سبب بنے۔ ان افراد میں علامہ اقبال، سید مودودی، حسن البنا شہید، سید قلب شہید وغیرہ شامل ہیں۔ ۲۰ ویں صدی میں مصر میں حسن البنا شہید نے اور عقیم میں سید مودودی نے جن تحریکوں کا آغاز کیا ان کے اثرات یورپ و امریکا، جنوب شرقی ایشیا، وسط ایشیا اور افریقہ و آفریلیا تک پہنچ اور اسلام کی رسمی تعبیر کی جگہ اسلام کی جامع تعبیر، بطور ایک مکمل اور قابل عمل نظام حیات کے وقت کی زبان بن گئی۔ یہ تحریک تعمیر قیادت اور تبدیلی قیادت کو ہدف بناتے ہوئے آگے بڑھیں اور آج مسلم دنیا میں ان کے مخالفین بھی انھیں ایک اہم قوت مانتے پر مجبور ہیں۔ آج یہ تحریکیں امت مسلمہ کے جسم میں تازہ خون بن کر گردش کر رہی ہیں اور دشمن اسلام کے لیے ایک مسلسل چیخ کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں۔ نتیجتاً ایک طویل عمل کی خلک میں ان تحریکوں کے زیر اڑاک ایسی تعمیری افرادی قوت وجود میں آرہی ہے جو نہ صرف ان کی فکری قیادت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے بلکہ مناسب وقت پر سیاسی، معاشری، تعلیمی اور معاشرتی محاذ پر اسلامی متبادل کے طور پر اپنا کردار ادا کرنے کے لیے نشوونما پاری ہے۔

۴- جوہری قوت کی استعداد : متدرجہ بالائیں قوی پہلوؤں کے ساتھ امت مسلمہ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ اسے ایک نوکلیر قوت کی حیثیت سے بادل نخواستہ اس کے دشمن بھی

مانئے پر مجبور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ طویل المیعاد اور قلیل المیعاد منصوبوں کے ذریعے پاکستان کو متزلزل کرنے اور طالبان کے خوف کے نام پر پاکستان کے نیکلیر اٹاؤں کو کسی طرح ناکارہ بنا دینے کی سازش میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی سازش تو ایک مخفی عمل ہے، دشمن کو یہ کرنا ہی چاہیے لیکن یہ ورنی دشمن سے زیادہ خطرناک وہ اندر ورنی دشمن ہیں جو اس گھناؤ نے کھیل میں دشمن کی مرضی کے مطابق ملک کو کمزور کرنے اور دشمن کے لیے موقع فراہم کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف قرآن کریم نے واضح اشارہ کیا ہے کہ اہل ایمان کے دشمن کی منصوبہ بندی اور چال کو اللہ تعالیٰ ناکام کر دے گا، اس کی حکمت عملی سب سے کارگر حکمت عملی ہے۔ ﴿وَاللَّهُ خَيْرُ النَّيْكِرِينَ﴾ (۵۸:۳)

۵۔ وسائل کی فراوانی: امت مسلمہ کا پانچواں قوی پہلو، جس کی اہمیت سے وہ شاید خود بھی آگہ نہیں ہے، اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی زمینوں اور فضاوں میں انقدر تی وسائل کی دولت کا فراہم کر دیتا ہے جس کے حصول اور اس پر قوت کے ذریعے قبضہ کرنے کے لیے، تمام مسلمان دشمن طاقتیں اپنی اپنی سازشوں میں گلی ہوئی ہیں۔ افغانستان اور عراق پر امریکی جارحیت کا بنیادی مقصد ان ذخائر پر قابض ہونا تھا جن کے بغیر اس کی معیشت تباہ ہو جائے گی لیکن یہ امر انتہائی افسوس ناک ہے کہ دشمن کو تو ملت اسلامیہ کے وسائل کی اہمیت کا پورا اندازہ ہے اور وہ اسی بنا پر ان وسائل پر قوت کے ذریعے قابض ہونے میں لگا ہوا ہے لیکن سلم ممالک کے سربراہان خود اس قوت کے صحیح استعمال سے نا آشنا ہیں اور بغیر کسی تامل کے دشمن کی سازش میں سماجی بنیٹ میں فخر ہو جاؤں کر رہے ہیں۔

۶۔ افرادی قوت کی بالادستی: امت مسلمہ کی چھٹی قوت اس کا انسانی اٹاؤ (Human Resource) ہے جس کے بغیر جدید نکنالوگی بھی اپنے آپ کو بے بس پاتی ہے۔ یورپ اور امریکا کے معاشرتی جائزے یہ بتاتے ہیں کہ ۲۰۱۰ء تک یورپ اور امریکا میں ۳۵ فی صد افراد عمر کے اس مرحلے میں ہوں گے جب انھیں معاشی طور پر عضو معلطل سمجھا جاتا ہے اور سرمایہ دارانہ نظام میں وہ معیشت پر ایک بوجہ (liability) بن جاتے ہیں۔ اس نظری خلا کوں پر کرے گا؟ امت مسلمہ میں اس وقت ۲۰، ۱۸ سال کے نوجوانوں کا تناسب ۳۳ فی صد ہے، اگر امت ان نوجوانوں کی صحیح تعلیم و تربیت کرتی ہے تو یہی افرادی قوت اس کی دولت بن کر دنیا میں انقلاب برپا

کر سکتی ہے۔ اس راز سے آگاہ ہونے کے سب یورپ وامریکا مختلف عالمی اداروں کے ذریعے کثیر رقم خرچ کر کے یہ چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ میں آبادی پر قابو ہے اور ۲۰۱۰ء میں ہونے والا فطری آبادی کا وہ سفر (population movement) جو تاریخ کے ہر دور میں کافر مار ہا ہے، محمد ہو جائے اور یورپ وامریکا میں نسلی بنیادوں پر آبادی کے تابع میں بڑی تبدیلی نہ ہو۔ اسی بنا پر امیگریشن قوانین کو مسلسل تبدیل کیا جا رہا ہے تاکہ وہ نسلی فویت جو یورپی اور امریکی تہذیب کا خاصا ہے، غیر سفید فام افراد کے آنے سے تبدیل نہ ہو۔

اس سب کے باوجود افرادی قوت ایک ناقابل انکار قوت ہے اور اگر انقلال آبادی نہ بھی ہو جب بھی یہ افرادی قوت اپنے ملک میں بینٹ کر تنابوی کی مدد سے ایسے بے شمار کام انجام دے سکتی ہے جس کے لیے یورپ اور امریکا دوسروں کی مدد کے محتاج ہوں گے۔ اس افرادی قوت کو صحیح منصوبہ بنندی کے ذریعے مؤثر اور قومی طور پر اعلیٰ وارفع بنانے کی ضرورت ہے تاکہ امت مسلمہ اپنا ثابت کردار مستقبل میں ادا کر سکے۔

۷۔ امت کا عالمی تصور: امت مسلمہ کا ساتواں قوی پہلو اس کا جغرافیائی قود و حدود سے نکل کر دنیا کے ہر خطے میں اپنی پہچان کے ساتھ پایا جانا ہے۔ اب مسلمان کا مطلب یہ نہیں لیا جا سکتا کہ وہ بغداد یا قاهرہ، استنبول یا دمشق کا باشندہ ہے۔ آج امت مسلمہ مغرب و مشرق میں اس طرح پھیل چکی ہے کہ صحیح معنی میں اگر کوئی امت میں الاقوامی انٹرنشنل کمی جا سکتی ہے تو وہ صرف امت مسلمہ ہے۔ اس طرح چھپے چھپے پر اپنے قدم جمادینے کے بعد اب امت مسلمہ کو نشانہ بناتا دشمنان اسلام کے لیے نامکن ہو گیا ہے۔ امت کے افراد کسی ایک ملک یا خطے میں مرکوز نہیں ہیں۔ ان کا یہ پھیلاو ان کی قوت ہے۔ ایک سیاہ فام امریکی ہو یا سفید فام فرانسیسی، جب دولتو اسلام سے فیض یا ب ہوتا ہے تو وہ امت مسلمہ کے جسم کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس کی پسند ناپسند، اس کا مرنا، اس کا جینا، اس کی عبادت، اس کی قربانی پر ہر چیز صرف اور صرف ایک رب العالمین کے لیے ہو جاتی ہے۔ وہ نسل کا بندہ رہتا ہے نرگنگ کا، نہ زبان کا نہ رسوم و رواج کا، نہ سیاسی مفادات اور معاشی مقاصد کا، بلکہ صرف اور صرف اللہ کا بندہ بن کر امت کی عالمی برادری میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس انقلابی قوت کو اگر صحیح طور پر متحرک (mobilize) کیا جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے

زیر نہیں کر سکتی۔

ان ۷ نکات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہ قوتوطیت پسند رویہ کہ امت مسلمہ صفووں کا مجموعہ ہے، زمینی حقائق کی روشنی میں درست نہیں۔ یہ بات بھی بے بنیاد ہے کہ امت مسلمہ میں کوئی قوت نہیں ہے، یہ لاچار و بے بس ہے، اس کی ناک کو جو چاہے جب چاہے اور جہاں چاہے گھما سکتا ہے۔ الحمد للہ امت مسلمہ ایک ناقابلی انکار قوت ہے اور یہ قوت آج تاریخ کی روشنی میں موجود ہے۔ یہ کسی فلسفیانہ بحث اور تصوراتی شاکلہ (بیت) کا نام نہیں ہے۔ اس کا نہیں ناقابلی تردید وجود پایا جاتا ہے۔

پھر کیا وجہ ہے کہ تین ہفتوں میں ۱۳۰۰ سے زیادہ بے گناہ بچے، عورتیں، جوان اور بڑھے فلسطین میں شہید کر دیے جائیں اور ۵ ہزار سے زیادہ زخمیوں سے چور بھی خدمات سے محروم رہیں، اور اس پر مستزادیہ کہ اسلام آباد، استنبول، قاہرہ، ریاض، جکارتہ اور کوالا لمپور کے اقتدار کے ایوانوں میں پائے جانے والے حکمران خواب خرگوش میں مست ہوں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ جس دوم درجے کے امریکی سرکاری ملازم کے حکم اور تعاون سے افغانستان سے امریکی ہوائی جہاز پاکستان کی حدود میں آ کر یہاں کے بے گناہ شہریوں اور مرد سے کے ۲۰۰ بچوں کو نشانہ بنا کر بے خیریت واپس چلے جائیں، اسی دشمن پاکستان کو بھالی قائد اعظم دیا جائے؟ ایسا کیوں ہے؟ ہم اتنے کمزور کیوں ہیں؟

امت مسلمہ کی کمزوریاں

اگر جائزہ لیا جائے تو امت کی کمزوریوں کو بھی سات نکات کے تحت اختصار سے بیان کیا جاسکتا ہے:

- ۱- علاقائی، نسلی اور لسانی تقسیم: ہمیں کمزوری امت مسلمہ کے بعض گروہوں کا خود اپنے بارے میں یہ تصور ہے کہ ان کے تشخص کی بنیاد نسلی، علاقائی اور لسانی خصوصیات پر ہے۔ چنانچہ وہ اپنے آپ کو بھلہ دیشی، افغانی، عراقی، مصری، شامی، انڈونیشی، ملیشیں کہنے میں فخر محسوس کرتی ہے، اسے اپنی قوی زبان سے زیادہ علاقائی زبان پر ناز ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض ناعاقبت انڈیش اور دشمنان عقل و خرد اردو جیسی اسلامی روایات کی عالم بردار زبان کو اس کے اعلیٰ وارفع مقام سے

گرا کر ایک غیر محسوس اور محدود افراد کے گروہ کی زبان بنا کر پیش کرتے ہیں کہ اردو بولنے والے ان افراد کے پوتے اور نواسے ہیں جو قسم ملک سے قبل اردو بولا کرتے تھے۔

یہ نسلی، لسانی اور علاقائی تصور جو سامراجی طاقتوں کے دیے ہوئے نظامِ تعلیم اور ہندوازماں اور دیگر نظاموں سے مستعار یہی گئے تصورات کے نتیجے میں امت مسلمہ میں سرایت کر گیا ہے، اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے جسے دشمن بکمال فنِ امت میں مزید انتشار اور فرقے پیدا کرنے کے لیے دن کی روشنی میں استعمال کر رہا ہے اور امت مسلمہ اس کے جال میں پھنس جانے کے باوجود اپنے محبوبیں کیے جانے سے لاعلم ہے۔ اس کمزوری کے سبب عراق ہو یا ایران، ترکی ہو یا پاکستان یا افغانستان، ایک ملک کو دوسرے کے ساتھ اور ایک لسانی گروہ کو دوسرے کے ساتھ لڑا کر اپنا الو سیدھا کرنے کا عمل جاری ہے۔ یہ وہی سامراج کے اس شاطرائی عمل میں بہت سے مقامی افراد بھی ان کے شریک کار ہیں۔

۲- استحصالی معاشی قوتون پر انحصار: امت مسلمہ کی دوسری کمزوری اس کا استحصالی معاشی قوتون پر انحصار ہے۔ وہی معاشی قوتیں جو امت مسلمہ کے عضو اعضا پر چوتھا کر قرضوں کے ذریعے اسے معاشی طور پر اپنا غلام بنانے میں گلی ہوتی ہیں، امت مسلمہ انھی پر انحصار و اعتماد کو اپنے لیے ذریعہ نجات سمجھتی ہے۔ عقل کے اس طرح مارے جانے کی ذمہ داری استحصالی طاقتوں پر نہیں رکھی جاسکتی۔ یہ صریحاً امت مسلمہ کی اپنی حماقت، عاقبت نا اندیشی ہے اور جہالت ہے کہ وہ اپنے مفادات دوسروں کے حوالے کرنے کے بعد ان سے بھلائی کی امید رکھے۔ دوسروں بلکہ دشمنوں پر معاشی انحصار کے چنگل سے لٹکے بغیر امت مسلمہ مستقبل میں اپنا کوئی کردار ادا نہیں کر سکتی۔ یہ بات کسی تعارف کی مقابح نہیں کہ جو مالک معاشی طور پر حکوم ہوں، وہ سیاسی اور عسکری طور پر بھی آزاد نہیں رہ سکتے۔ اس لیے اس کمزوری کو ذور کیے بغیر امت مسلمہ کی نشاستہانی آسان نہیں ہو گی۔

۳- عسکری قوت کے لیے دشمن پر انحصار: امت مسلمہ کی تیسرا کمزوری اس کا عسکری میدان میں اپنے دشمن کی امداد پر انحصار کرنا ہے۔ بلاشبہ جدید لکنالوجی غیر معمولی طور پر مہنگی ہے لیکن جب تک امت مسلمہ عسکری میدان میں اپنے وسائل پر بھروسائیں کرے گی، وہ

سامراجی طاقتوں کی محتاج و حکوم رہے گی۔ آج مسلم ممالک کے بارے میں مطبوعہ اعداد و شمار یہ بتاتے ہیں کہ اگر کسی بنا پر وہ جنگ کرنے پر مجبور ہو جائیں تو ان بارہ دن سے زیادہ کا اسلحہ ان کے پاس نہیں ہے۔ جنگی اسلحے کے پرزاے عموماً مغربی ممالک سے حاصل کیے جاتے ہیں اور ان کے حصول کے بغیر جدید آلات حرب کام نہیں کر سکتے۔ عسکری طاقت ہونے کے باوجود غیروں پر اس طرح کا انحصار امت کی عسکری طاقت اور ایسی قوت ہونے کی حیثیت کو ختم یا معطل کر دیتا ہے۔ اس کمزوری کو دور کیے بغیر ترقی کا سفر ناہموار ہی رہے گا۔

۲- حکمرانوں کی ذہنی غلامی: چوچی اور ایک اہم کمزوری امت مسلمہ میں برسر اقتدار طبقے کی ذہنی، فکری اور روحانی غلامی ہے۔ فرمان رواطیقات نہ صرف فکری طور پر مغربی طاقتوں اور مغربی فکر کی برتری پر ایمان بالغیب لاپکھے ہیں بلکہ ان کے خیال میں جوان کی روشن سے اختلاف کرتا ہے، وہ اس دنیا کا باشندہ نہیں ہے اور نہ اسے اس دنیا میں رہنا چاہیے۔ ان کی یہ غلامی محض فکر اور نظام کی حد تک نہیں ہے بلکہ وہ مغرب کے تصور مذہب اور روحانیت پر بھی ایمان لاکر اس کی تقدیق اپنے عمل سے کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ مخصوص دونوں میں بعض تہوار منانے اور عیدین یا جمعے کے موقع پر دور کعینیں ادا کرنے کے بعد وہ سمجھتے ہیں کہ بے چارہ اسلام آزاد ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا دائرہ کار مسجد ہے۔ حتیٰ کہ مسجد سے وابستہ مدرسہ کو بھی مغربی خواہش اور حکم کی قیمیں میں لا دین بنا (سیکولرائز) کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہاں سے بھی پریشان خیال افراد لکھیں اور اس طرح نہ سرکاری تعلیم کے ذریعے اور نہ دینی تعلیم کے واسطے سے، باہم، باوقار، خوددار اور ایمان دار افرادی قوت پیدا ہو سکے۔

یہ ذہنی غلامی محض سیاسی و فاداری تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ فکر کے ہر ہر شعبے میں پائی جاتی ہے چاہے وہ معاشرت و ثقافت ہو یا تعلیم اور ابلاغ عام۔ ہر شعبہ حیات میں جب تک مغرب کی مکمل نقلی نہ کر لی جائے، ان کے خیال میں ترقی نہیں ہو سکتی۔ ترقی دراصل مکمل نقلی کے مترادف سمجھ لی گئی ہے۔ چنانچہ جب تک (ممالکِ اسلامیہ کی) ایک نیوز کا سٹرخائن، بی بی سی یا امریکی نڑاد کے سے لجھ میں خبریں نہ پڑھے انھیں تسلیم نہیں ہوتی۔

اس ہنی و فکری اور روحانی غلامی سے نجات اور اپنی اقدارِ حیات، اپنی ثقافت اور اپنی فکر کا احیا کیے بغیر امت مسلمہ ایک انجی بھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اس کمزوری سے آگاہی اور اس کا سد باب اور اس کے اثرات کو جڑ بندیاد سے اکھاڑے بغیر نجات ناممکن ہے۔

۵- مفاد پرست طبقے کا تسلط: امت مسلمہ کی پانچویں کمزوری نااہل اور مفاد پرست سیاسی شاطروں کا اس پر بالجبر تسلط ہے۔ اسلام کے سیاسی نظام کی بنیادی خصوصیت اس کا انتخابی، شورائی، الیت کی بنیاد پر آزادی رائے کے ساتھ عوامی انتخاب کے ذریعے امامت دار، تفہفہ فی الدین رکھنے والے، متفق افراد کا انتخاب ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ امت مسلمہ کے کسی ایک ملک میں بھی، الا ماشاء اللہ، قیادت ایسے افراد کے ہاتھوں میں نہیں ہے جو اسلامی اصولوں پر پورے اترتے ہوں، (ترکی اور ایران ایسی مثالیں ہیں جہاں ایک حد تک بے لوث اور ملک کی خیرخواہ قیادت پائی جاتی ہے)۔

اس کمزوری کا بڑا سبب خود ہمارے عوام کی بے خبری، چہالت، سادہ لوچی یا بے صی، مفاد پرستی، اور نااہل افراد کو ووٹ دے کر، یا کسی اور طریقے سے اس عمل میں حصہ بن کر اقتدار حاصل کرنے دینا ہے۔ بلاشبہ ووٹ کے لیے دولت اور وہو کے کا استعمال ایک حرام ذریعہ ہے اور اقتدار کے طالب عنصر اس جرم کے مرتكب ہو رہے ہیں لیکن عوام بھی بری الذمہ نہیں۔ اس لیے کہ اس حرام ذریعے سے جو لوگ برسر اقتدار آئئے ہیں آخر عوام نے ان کو دولت کے عوض ووٹ دیا ہے، دھاندی میں برابر کی شرکت کی ہے، یا تو قیادات اور تعلقات کی وجہ سے ووٹ کی اپنی قوت کو غلط استعمال کیا ہے اور نتیجتاً اپنے اوپر جان بوجھ کر فقر و فاقہ، ذلت اور محکومی کو مسلط کیا ہے، بلاشبہ بڑے ملزم تو سیاسی شاطروں ہیں مگر سونی صدائیں نہیں ٹھیک رایا جاسکتا۔

ایک طویل صبر آزماعمل کے ذریعے اس کمزوری کو دور کرنا ہوگا اور ووٹ کی قوت کو چند سکوں کے عوض فروخت کرنے کے کچھ کو تبدیل کرنے کے بعد ایسے افراد کو قیادت میں لانا ہوگا جو اللہ کا خوف رکھتے ہوں، بکاو مال نہ ہوں، جنہیں امت کا مفاد عزیز ہو، جو صلاحیت رکھتے ہوں، جو ایمن ہوں، جن کا کردار ماضی کی مالی، اخلاقی اور سیاسی بے ضابطگیوں اور جرائم سے پاک ہو۔ ہر کمزوری دور کی جاسکتی ہے لیکن اسے دور کرنے کے لیے عزم کے ساتھ ساتھ قربانی اور مسلسل

جدوجہد بھی ناگزیر ہے۔

۲- تعلیمی انحطاط: امت کی چمٹی کمزوری اس کا تعلیمی اضھال ہے۔ دنیا کے ممالک کا جائزہ لیا جائے تو تعلیم کے میدان میں امت مسلم بہت پیچے نظر آتی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کو ایک طرف رکھتے ہوئے حقیقت واقعہ یہ ہے کہ نہ صرف اعلیٰ تعلیم بلکہ بنیادی تعلیم میں بھی امت مسلم تمام اقوامِ عالم سے پیچے ہے۔ اس کمزوری طور پر ذور کرنے کی ضرورت ہے اور حل بہت آسان ہے۔ گل قومی پیداوار کا ۷ یا ۸۰ فی صد اگر تعلیم کے لیے مختص کر دیا جائے، اسے ایمان داری سے استعمال کیا جائے تو دس سال میں امت مسلم تعلیم کے میدان میں دنیا کی قیادت کر سکتی ہے۔

اس تعلیمی پس ماندگی میں بڑا خلیکاں تعلیمی نظام کا نہ ہونا بھی ہے۔ اس وقت کی متوازی نظام تعلیم مسلم دنیا میں چل رہے ہیں۔ خود پاکستان میں کم از کم تین نظام تعلیم ہرگلی میں راجح ہیں۔ ایک طرف سرکاری تعلیم کا نظام ہے جو ناکافی ہے، ناقص ہے، اور ملک و قوم کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کی الہیت سے عاری ہے۔ دوسری طرف روایتی مذہبی تعلیمی نظام ہے جو غریب طبقہ کی کچھ ضرورتیں اور معاشرے کی روایتی مذہبی خدمات کے لیے مردانہ کارجیسے تیسے تیار کر دیتا ہے مگر ملک و قوم کی ہمہ جہتی ضروریات کی فراہمی اور امت کوئی قیادت فراہم کرنے میں بے بُس اور ناکام ہے۔

ایک تیری مصیبت وہ نجی تعلیمی نظام ہے جس کے تحت یورونی تعلیمی ادارے ایک ایسی نسل تیار کر رہے ہیں جس کی سوچ اور کروار امت کے جذبات و عزائم کی آئینہ دار نہیں اور جس کے نتیجے میں معاشرے کی قیادت اور زندگی کے مختلف شعبوں میں زمام کارا یے لوگوں کے ہاتھوں میں آرہی ہے جو مغربی تہذیب کے گماشته ہیں۔ اس پورے نظام میں اسلامی شخصیت اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا رنگ غائب ہے۔ یہ ایک ایسی کمزوری ہے جسے دور کیے بغیر اور صحیح اسلامی نظام کو نافذ کیے بغیر امت مسلمہ ترقی کا سفر طلب نہیں کر سکتی۔

۷- ادارتی زوال: امت مسلمہ کی ساتویں کمزوری اس کا ادارتی زوال ہے۔ ہمارے وہ ادارے جو پندرہ سو سال سے امت مسلمہ کے وجود کو برقرار رکھنے اور اسے آگے سفر کرنے میں

آسانی فراہم کرتے رہے ہیں، ہم نے ان میں سے ہر ایک کو یکے بعد دیگرے کمزور کرنے کے بعد معاشرہ بذرکر دیا۔ قانون، قضا اور ریاست تو سب سے پہلے نشانہ بنائے گئے لیکن بات وہاں تک نہیں۔ سول سو سالی کے دوسرا اداروں کی حالت بھی دگر گوں ہے۔ وہ ادارہ اوقاف کا ہو یا مدرسہ کا، جو ریاست کی ذمہ داریوں کے ساتھ عمومی بہبود اور فلاح کے کاموں میں اپنا کردار ادا کرتا تھا یا خاندان کا ادارہ ہو، ہم نے کسی کو بھی تحفظ دینے میں دل چھمی نہیں لی۔ آج خاندان جس طرح منتشر ہو رہا ہے اور خواتین کے حقوق کے نام پر جس طرح اسلامی تعلیمات کے بجائے مغربی تصورات کو اپناتا جا رہا ہے، وہ اداروں کے زوال کی واضح مثال ہے۔ ہم نے حبہ اور عدالیہ کے ادارے کو اپنے معاشرے سے بے دخل کر دیا اور اس طرح ہر اخلاقی قید سے آزاد ہو کر بے راہ روی کا شکار ہو گئے۔ مسجد کا ادارہ ہو یا شوریٰ، قضا اور فقہہ کا ادارہ، ہر ہر اسلامی ادارے کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم سول سو سالی کے نام پر ایک مغرب زدہ سیکولر معاشرے کی تعمیر میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کمزوری کو دور کیے بغیر ترقی کا عمل آگئے نہیں بڑھ سکتا۔

مستقبل کرے امکانات اور موقع

ان ۷ نمایاں کمزوریوں کے علاوہ اور بہت سے پہلوائیے ہیں جن پر بات کرنے کی ضرورت ہے لیکن فی الوقت ہم صرف متذکرہ بالا نکات ہی پر اکتفا کرتے ہوئے یہ دیکھتے ہیں کہ قوتوں اور کمزوریوں کے بعد وہ موقع کون سے ہیں جن کے صحیح استعمال سے امت مسلمہ عالمی طور پر ایک تعمیری کردار ادا کر سکتی ہے۔

۱۔ عالمی معاشی معاشرہ منظر نامہ: موقع کے سلسلے میں سرفہrst عالمی معاشی منظر نامہ ہے۔ آج دنیا جس معاشی اور مالی انتشار کا شکار ہے اُس نے سرمایہ دارانہ نظام کے ہوکھلے ہونے اور اس کے دعووں کے باطل ہونے کو بزبانِ خود ثابت کر دیا ہے۔ سود کی بیاناد پر کاروبار کرنے والے بینک بھی اسلامی بینک کاری اور اسلامی فناں کو مجبوراً تسلیم کرتے ہوئے اپنے اداروں میں اسلامی کھڑکیاں کھولنے پر آمادہ ہیں۔ مسلمان اہل علم و دانش کے لیے یہ بہترین موقع ہے کہ اسلامی نظام معیشت کو بطور ایک قابلِ عمل تقابل کے مسلم دنیا میں متعارف کرائیں اور اس کے لیے ایک مہم

کے ذریعے فضا کو ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ مسلم کاروباری افراد کے تعاون سے ایسے ادارے قائم کریں جو سودی لعنت سے نجات اور اسلام کے عادلانہ معاشی اصولوں کو عملاً نافذ کر کے دنیا کے سامنے ایک عملی مثال پیش کریں۔ اگر معروف معاشی اصول یعنی طلب (demand) میں کوئی صداقت ہے تو آج سرمایہ دارانہ نظام کی منڈیاں بھی اس تلاش میں ہیں کہ کس طرح ایک نئے معاشی نظام کے ذریعے اپنا تحفظ کر سکیں۔ امت مسلمہ کے لیے یہ یقینی موقع ہے کہ وہ خود اپنے گمراہ میں اصلاح کر کے اپنے عمل کو دوسروں کے لیے رہنمایا کر پیش کر سکے۔

۲- ٹکنالوجی کی میدان میں ترقی: ٹکنالوجی کی ترقی کی بنا پر امت مسلمہ اپنے علمی اور عملی وسائل کو نیٹ ورکنگ (net working) کے ذریعے یک جا کر کے ایسے بہت سے کام کر سکتی ہے جو تہا کسی ایک ملک کے لیے ممکن نہیں ہو سکتے۔ آج بڑی سے بڑی تحقیق اور ایجادوں کے لیے جو وسائل درکار ہیں وہ چاہے انفرادی طور پر سب کے پاس موجود نہ ہوں لیکن نیٹ ورکنگ کے ذریعے اس مقصد کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس موقع کو ضائع کرنا امت مسلمہ کے ساتھ بے وفا کی ہے۔

۳- ذرائع ابلاغ کی ڈور رسالہ: تمیرا ہم پہلو موقع کے لحاظ سے دور حاضر میں جدید ذرائع ابلاغ کا غیر معمولی اثر رے ٹیک اہمیت حاصل کر لیتا ہے جس کی بنا پر امت مسلمہ جب چاہے چند لمحات میں دنیا کے کروڑوں افراد تک اپنا پیغام، اپنی دعوت اور فکر پہنچا سکتی ہے۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب امت ابلاغ عامدہ کی طاقت اور منابع سے آگاہ ہونے کے ساتھ انسانی وسائل کو تربیت دے کر فنی مہارت کے ساتھ اپنی دعوت و پیغام کو دل چسب انداز میں پیش کر سکے۔ اسلامی ٹی وی کے نام پر لے لے طبابات، مناظرے اور جہاڑ پھوک کے عمل اور فوری استخاروں سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ تحریکات اسلامی کے لیے خصوصاً یہ کہ فکر یہ ہے کہ اپنی تمام نیک خواہشوں کے باوجود اور اپنے قائدین کی بعض تقاریر کی سی ڈی پیش کرنے کے علاوہ کیا وہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہیں؟ کیا شخصیات کو پیش کرنا ہی دعوت ہے؟ یا دعوتی مقاصد کے پیش نظر انسانی قوت کی تیاری اور اس کا گنجی استعمال وقت کا تقاضا ہے۔ ابلاغ عامدہ اس صدی کا ایک انتہائی اہم شعبہ ہے۔ اس کا فنی طور پر فہم اور پھر اس کا ایک حکمت عملی کے ذریعے

مہارت کے ساتھ استعمال حالات میں انقلاب برپا کر سکتا ہے۔

۳۔ نوجوان اور افرادی قوت: امت مسلمہ کو متیاب موقع میں اس کی افرادی قوت کو اہم مقام حاصل ہے جس کی اکثریت نوجوانوں پر مبنی ہے۔ ان نوجوانوں کو ان کی زبان میں اسلام کی دعوت سمجھانے اور قوت کے اس سرچشمہ کا تغیری استعمال کرنے سے تحریکات اسلامی کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ نوجوان نہ صرف سیاسی، بلکہ معاشری اور معاشرتی میدانوں میں اہم اہانتی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تحریک اسلامی کے انسانی وسائل کا تنقیدی جائزہ لے کر یہ دینکنے کی ضرورت ہے کہ مستقبل کے طالبوں کے پیش نظر کیا وہ قیادت جو ۵۰ سال کی عمر سے تجاوز کر جکی ہو، واقعًا آیندہ ۲۰ سال کے لیے ایک قوت محکم (motivating force) ہو سکتی ہے یا اسے ہر ہر طبقے پر ایسے افراد کو آگے لانا ہو گا جونہ صرف فکر و فہم کے لحاظ سے بلکہ اپنی قوت کارکی بنا پر معاشرے میں قائدانہ کردار ادا کر سکیں۔ افرادی سرمایہ کی صحیح نشوونما، اس کی صحیح تربیت اور اس کا صحیح استعمال ہی مستقبل میں کامیابی کی کلید ہے۔ جو تحریکات ان زمینی حقائق کو اپنی سادہ لوچی کی بنا پر نظر انداز کریں گی، وہ اپنی یہک خواہشات کے باوجود اپنے اہداف کے حصول میں پچھے رہیں گی اور جو اس کا صحیح استعمال کریں گی وہ با دیگر افراد کے سفر میں آگے بڑھتی جائیں گی۔

۴۔ ایشمنی استعداد: عالمی تناظر میں امت مسلمہ کے لیے اپنی نیوکلیر صلاحیت کا صحیح استعمال بھی ایک اہم موقع کی حیثیت رکھتا ہے۔ پاکستان اور ایران کے ساتھ ساتھ اس عمل میں ترکی کو بھی شامل کرنے کی ضرورت ہے تا کہ وہاں کے سائنس دانوں کے تعاون سے نیوکلیر قوت کے پُرانے اور عسکری استعمال کے نئے نئے حاذاوں پر امت مسلمہ آگے بڑھ سکے اور یہ قطبی طاقت یا پری یونین کے دباؤ سے اپنے آپ کو آزاد کر سکے۔ اس سلطے میں بعض غیر مسلم ممالک سے بھی تعاون پر غور کرنے کی ضرورت ہے خصوصاً جنین جو اس خطے میں ایک اہم مرکز قوت ہے، اس کے ساتھ تعاون کی راہوں پر غور ہونا چاہیے۔

خدشات و خطرات

دنیا کے تیل اور گیس کے ذخائر کا نصف سے زیادہ امت مسلمہ کے ہاتھوں میں ہے۔

صرف اس ایک قدرتی ویلے کے ذریعے حاصل ہونے والی آمدی پوری مسلم امت کی معاشری ترقی کے لیے کافی ہے لیکن یہ وسائل امت کی ترقی کے بجائے، مغربی اقوام اور مغربی مالیاتی نظام کی چاکری میں لگے ہوئے ہیں۔ فقط اسی ایک ویلے کے صحیح استعمال سے مسلم دنیا کا نقش بدلا جاسکتا ہے اور عالمی سطح پر امت کے کردار کو ایک نیا آنکھ دیا جاسکتا ہے۔

اس مختصر جائزے کا اگلا حصہ اختصار کے ساتھ ان اندر ورنی اور یہ ورنی خدشات و خطرات پر ایک نظر ڈالنا بھی ہے جونہ صرف دعوت مقابلہ دیتے ہیں بلکہ ایسے موقع بھی فراہم کرتے ہیں جن کا مناسب اور صحیح استعمال امت مسلم کے مستقبل کی تعمیر میں اہمیت کا حامل ہے۔ اس سلسلے میں اندر ورنی طور پر جو خدشات و خطرات پائے جاتے ہیں ان میں اولاً وہ فکری چیز ہے جسے ہم صرف ایک اصطلاح یعنی فہم دین کی لفڑی سے تعبیر کر سکتے ہیں، جو صدیوں کے دور غلامی اور سیاسی آزادی کے بعد بھی ماضی کی روایت سے وابستگی کے نتیجے میں ہمارے حلقوں میں پائی جاتی ہے۔

۱- دین دنیا کی تفریق: اس میں اولاً وہی طور پر دین اور دنیا کی تفریق کا تصور ہے جو ہماری سرگرمیوں اور معمولات کو دو اقسام میں بانٹ دیتا ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے دائرہ کار میں بڑی حد تک آزادی کے ساتھ مصروف فعل ہو جاتا ہے۔ دین کا دائرة عملاً نہ ہب بن جاتا ہے اور عبادات اور چند رسومات ادا کرنے کے بعد ایک شخص حتیٰ کہ ایسے افراد بھی جو فکری طور پر خود کو تحریک اسلامی سے وابستہ سمجھتے ہوں دنیا کے پیش نظر شادی بیویا کی تقریبات ہوں یا دیگر معاشرتی معاملات، ان میں جو کچھ دنیاداری کے تقاضے ہیں، وہ پورے کرتے ہیں اور ساتھ میں نماز روزے کی پابندی کے ذریعے اپنے خیال میں دونوں کے مطالبات کو پورا کر لیتے ہیں۔

اس میں مزید غور کیا جائے تو ایک واضح تفریق ذاتی اور معاشرتی مطالبات کی پائی جاتی ہے۔ ایک شخص ذاتی طور پر ممکن ہے کہ نہ صرف عبادات پر عالم ہو بلکہ اپنی بیوی کے ساتھ بھلے انداز میں پیش آتا ہو لیکن معاشرتی معاملات میں جب اسے اپنی بیٹی یا بیٹے کے لیے رشتہ درکار ہوتا ہے تو اس کی ذاتی عبادات اور تحریکیت ان معاملات پر کوئی بڑا اثر نہیں ذاتی اور وہ معاشرتی رواجوں کا غلام بن کر اور ان پر عمل کر کے بہت خوش ہوتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی اپنی بیٹی تو جس گھر میں جائے، وہاں اپنے شوہر کے ساتھ آزادانہ طور پر رہے لیکن جو لڑکی اس کے گھر میں آئے، وہ

سارے گھر کی خادمین کر رہے ہیں اور اپنے ساتھ وہ سب ساز و سامان لے کر آئے جس کے خلاف وہ عوایی سطح پر خطابات کرتا رہا ہے۔ یہ تفریق اور دعویٰ ایک مرض ہے اور اس کا جتنا جلد سد باب ہو سکے، اتنا ہی امت مسلمہ کے لیے مفید ہو گا۔

امت کو ایک اور تفریق کا بھی سامنا ہے جس کا تعلق معاشری معاملات سے ہے۔ وہ افراد بھی جو اپنی عبادات اور نعمتی معاملات میں قرآن و سنت کی پیروی کا اہتمام کرتے ہیں، جب تجارت اور لین دین کا معاملہ ہوتا ہے، عملًا غیر ذمہ داری کے مرتبہ ہوتے ہیں۔ عموماً شرکت کے کام مالی بدمument کے سبب غیر عادلانہ تباہی تک مخفی جاتے ہیں اور وہی شخص جو ذاتی طور پر بہت دین دار تھا، اجتماعی تجارت و شرکت میں غیر ذمہ دار ثابت ہوتا ہے۔ یہ اندر وہی مرض امت کی معاشری ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ قرآن نے جو ہدایات تجارت و شرکت کے بارے میں دی ہیں، انھیں سمجھ کر اور مکمل طور پر تائزہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس تفریقی عمل کو آگے بڑھایا جائے تو یہ تفریق سیاست، ثقافت اور مالک میں بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک بظاہر نہ ہی فرد سیاست میں ایسے افراد کے ساتھ اتحاد کرنے میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتا جو اپنے کردار و عمل کے لیے دھوکا دھاندنی اور بد کرداری کے لیے معروف ہوں۔ ایسے تمام موقع پر اپنے عمل کو یہ کہہ کر پاک صاف کر لیا جاتا ہے کہ سیاست میں تو یہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہی معاملہ ثقافت کے بارے میں پایا جاتا ہے۔ اسلام کے تمام دعووں کے باوجود ایسی تقریبات میں شرکت اور ان کا انعقاد جو اسلامی اصولوں کے منافی ہوں، اس تفریق کا ثبوت ہیں۔

۲۔ احساس لاچاری وضعف: ایک متددی اور مہلک مرض جو امت مسلمہ نے اپنے اوپر نفیا تی طور پر طاری کر لیا ہے، وہ اس کا احساس لاچاری اور وضعف ہے۔ قیادت پر فائز افراد ہوں یا عام انسان، بھی بات کہتا ہے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ جب تک 'چھاسام' اجازت نہیں دے گا فلاں کام کیسے ہو گا۔ یا یہ بات بار بار کہی جاتی ہے کہ پاکستان یا مصر یا ترکی میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ صہیونی سازش ہے اور اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ نتیجتاً ایک احساس لاچاری، بے بُی اور پر درگی امت کی نفیات پر مسلط ہے۔ گویا دراصل دشمن کا جو اصل مقصد تھا یعنی امت مسلمہ کو مسحور کر دینا وہ اسے حاصل ہو جاتا ہے اور امت کے قائدین خود زور شور سے 'غیر طی یا صہیونی وامریکی سازشوں' کی

تکمیل کر کے اپنے آپ کو بے بُسی، ضعف اور لاچاری کی کیفیت میں جلا کر لیتے ہیں۔ اس احساسِ گلست اور پسپائی سے لکھے بغیر امت مسلمہ آگے نہیں بڑھ سکتی۔

۳۔ فکری یلغار: ان چند اندر و فی خطرات کے ساتھ بعض بیرونی خطرات بھی غور طلب ہیں۔ ان میں سب سے اول وہ فکری یلغار ہے جو ایک طویل عرصہ سے امت مسلمہ پر اثر انداز ہوتی رہی ہے اور اس وقت اپنے عروج پر ہے۔ اس فکری یلغار کے لیے جو حربہ استعمال کیا گیا، وہ تعلیم کا بھی ہے اور ابلاغ عامہ کا ہے۔ دونوں کا مشترک نکتہ یہ ہے کہ مغرب کی ترقی کا راز مذہب سے آزادی اور مادی، تحریکی، سیکولر علم کی بنیاد پر فکر کی تدوین و تعمیر ہے، اس لیے مسلم دنیا کو بھی ترقی کے حصول کے لیے یکولا زم کا راستہ اختیار کرنا ہوگا، چنانچہ اس غرض کے لیے نصاب میں تبدیلی، ایسی کتب کا لکھا جانا جو ایک یکلور ذہن پیدا کریں، اسلامیات کو دس مختصر قرآنی سورتوں اور دس احادیث کے سرسری طور پر پڑھنے تک محدود کر دینا اور ابلاغ عامہ خصوصاً بر قی ابلاغ عامہ میں مذہب کا مذاق یا اسے تضادات اور انتشار اور الجھاؤ پیدا کرنے والا دکھانا یہاں تک کہ ایک دیکھنے والا یہ کہنے پر آمادہ ہو جائے کہ واقعی مذہب مسائل کا گھر ہے، اور اس سے نجات حاصل کیے بغیر ہم ترقی نہیں کر سکتے۔ یہ وہ فتنہ ہے جو آیا تو باہر سے ہے لیکن اب یہ مقامی طور پر قدم جمار ہا ہے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک واضح اور جامع حکمت کی ضرورت ہے۔

۴۔ ثقافتی یلغار: دوسرا بڑا بیرونی خطرہ ثقافتی یلغار ہے جس کے تحت امت مسلمہ کی اپنی اقدار حیات، اخلاقی اصولوں اور ان کی روشنی میں زبان، لباس، طعام اور تفریح ہر چیز کو نشانہ بنتے ہوئے یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ امت مسلمہ مغربی اور ہندوانہ ثقافت کی بھری اور سمعی طور پر عادی ہو جائے۔ آج عرب دنیا خصوصاً طیبع کے علاقے میں لباس ہو، کھانا ہو، گانا ہو، یا فلم، ہندو ثقافت مغربی ثقافت کے دوں بدلوں اپنے اثرات گھرے کر رہی ہے۔

پاکستان میں اکثر نجی ٹوی جیل مغربی تہذیب و ثقافت کے ساتھ ہندوانہ ثقافت کو پاکستان میں راجح کرنے میں مصروف عمل ہیں اور مسلسل یہ بات باور کرنا چاہیے ہیں کہ پاکستانی اور بھارتی ثقافت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس سے زیادہ غلط یہانی شاید ہی کوئی ہو لیکن اسے کچ بنا کر چیل کیا جا رہا ہے۔ ۹۰ فی صد کھانے پکانے کے پروگرام ان کھانوں کی ترکیب بتاتے ہیں جن

کا نام بھی ایک عام پاکستانی شہری نے نہ سنا ہوا اور تھائی لینڈ، میں اور امریکا میں مرغوب کھانے کے جگہ جاتے ہیں لیکن جو ایک عام شہری خواب میں بھی نہ پاکسلکا ہے نہ کھا سکتا ہے۔ یہی ٹکل لباس کی ہے کہ فیش شو کے نام پر ہر دہ لباس جو حیا کوتار تار کرنے والا ہو، بہت پُر کش انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ شفافی میخار حضن استغفار پڑھنے اور پد دعا کرنے سے نہیں رکے گی، اس کے لیے تبادل شفافی مہم اور حواسی سطح پر رائے عامہ کی تیاری کی ضرورت ہے۔

۵- معاشی یلغماہ: تمیرا اہم بیرونی خطروہ وہ معاشی یلغماہ ہے جس میں امت مسلمہ کی قیادت کو خصوصاً یہ باور کرنا دیا گیا ہے کہ ترقی کا راستہ صرف اور صرف ولڈ بنک اور آئی ائم ایف سے ہو کر گزرتا ہے۔ اگر امت مسلمہ نے اس کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کیا تو وہ تباہ ہو جائے گی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ولڈ بنک ہو یا آئی ائم ایف، دونوں کے زیر اثر آنے والے کسی ملک نے آج تک خود انحصاری کامزہ نہیں پچھا۔

اس کے اڑات دینی طقوں میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں اور بعض حضرات اپنی سادہ لوگی یا گروہی عصوبیت کے زیر اسلامی بنکاری اور تجارت و تکالیف کے اداروں پر یہ کہہ کر تنقید کر رہے ہیں کہ ان میں اور سودی اداروں میں محض نام کا فرق ہے۔ گویا عوام الناس کے لیے بہتر ہے کہ سودی نظام ہی میں پہنچنے رہیں اور ان اداروں کی طرف نہ جائیں۔ اس سادہ لوگی کی اصلاح کی فوری ضرورت ہے تاکہ جلد یا بد ویر اسلامی معاشی ادارے سودی اداروں کے تبادل کے طور پر اپنے وجود کو تسلیم کر سکیں۔

۵- خواتین کو صاحبِ اختیار بنانے کا فتنہ: کچھ عرصہ سے ایک پانچواں خطروہ بلکہ فتنہ، خواتین کو با اختیار بنانے (empowerment) کے نام سے بیرونی اداروں کی طرف سے امت پر مسلط کیا جا رہا ہے۔ اس امر کو "حقوق انسانی" کے ساتھ فصلک کر کے یہ کہا جا رہا ہے کہ اب خواتین کو یکساں انسانی حقوق کی بنا پر فوج اور انتظامیہ میں اپنا کردار ادا کرنے کا موقع ملنا چاہیے تاکہ ملک ترقی کر سکے۔ مغرب اور خصوصاً امریکا اور یورپی ممالک اس مہم کی پشت پناہی میں سب سے آگے ہیں۔ ابھی حال ہی میں امریکی جریدے نیوزویک نے اپنی خصوصی اشاعت برائے دسمبر ۲۰۰۸ء- فروری ۲۰۰۹ء میں ایک مضمون شائع کیا ہے جو مغرب کے اس منسوبے کو واضح اور

واشگاف الفاظ میں پیش کرتا ہے:

مسلمانوں کے بارے میں امریکی پالیسی کا محکم صرف دہشت گردی کی مخالفت نہ ہو بلکہ حقوق انسانی کی عالمی تحریک کو اس کی تجھیل کرنا چاہیے۔ اس طرح ایک باہمی تعاون کی حکمت عملی تھکیل پاجائے جو یہ تسلیم کرے کہ عام مسلمان، خاص طور پر مسلمان خواتین، چہادی تحریکوں کا ہدف ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے خلاف لڑائی میں لازمی شریک کارہیں۔ (نیوزویک، ۲۰۰۸ء، جنوری ۲۰۰۹ء)

اس مقدمے کے بعد یہ حل پیش کیا جا رہا ہے کہ امریکی صدر خواتین کے انسانی حقوق کے بہانے انھیں معاشی دوڑ میں مرد سے آگے بڑھنے کے موقع فراہم کرے۔

تجارت پیشہ مسلم خواتین اپنے اہل خاندان اور ہمسایوں سے آگے بڑھ کر وسیع تر حلقت میں خدمات انجام دے سکتی ہیں۔ کاروباری صلاحیت رکھنے والی مائیں اپنے بچوں کے لیے تجارت — اور مستقبل کے منصوبوں — کے لیے موقع فراہم کر سکتی ہیں۔ اس لیے مسلم خواتین کے لیے کم رقم کے قرضوں کی فراہمی، ایک ایسی خارجہ پالیسی کا جزو بن جائے گا جو دہشت گردی کے مخالف الادامات اور انسانی حقوق میں توازن رکھتی

۶۹

اس حکمت عملی میں جو بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان عورت کی اولین دل چھپی اور کار کر دگی کا مرکز گھر اور خاندان نہ رہے اور وہ بجائے گھر کے مرد کو معاشی استحکام دینے کے، خود حنثت کشی میں لگ جائے جس کا مقصد عورت کو معاشی خود مختاری فراہم کرنا ہے جس کے لیے اسے آسان شرط پر قرضہ دیا جائے۔ یہ تجربہ بنگلہ دیش میں گرامن بک کر چکا ہے اور معاشی ماہرین نے اس کا جو تجربہ کیا ہے وہ یہ بتاتا ہے کہ ان کم رقم کے قرضوں (micro-credit) کے نتیجے میں بھیثیت بھوئی خواتین کو معاشی استحکام تو نہیں مل سکا البتہ وہ قرضوں کے بوجھ میں پہلے سے زیادہ دب گئیں۔ نتیجتاً گھر بیلو بھڑے اور طلاق کی کثرت سے معاشرتی نظام شدت سے متاثر ہوا۔ رپورٹیں یہ بتاتی ہیں کہ آسان شرط پر قرضہ کی شرح سو ۳۰ فی صد ہونے کے سبب عموماً ایک خاتون کو قرضے کی ادائیگی کے لیے کسی دوسرا این جی او سے قرض لینا پڑا اور اس عمل میں مردوں کے

ساتھ اختلاط کے نتیجے میں خاندانی نظام اور اس کے استحکام کو شدید جھٹکا لگا۔

اس جملہ مفترضہ سے قطع نظر 'جنی مساوات' کا مغربی تصور ایک ناسور بن کر امت مسلمہ کے جسم کو زخم آلو اور خون خون کر رہا ہے۔ اس کی بروقت اصلاح کی ضرورت ہے۔ اسلام جنی مساوات کی جگہ عدل اور تمام اصناف میں حقوق و فرائض کی عادلانہ تقسیم کا قائل ہے۔ اس پہلو پر علمی اور عوامی سطح پر رائے عامہ کو ہموار کرنے کی ضرورت ہے۔

درپیش چیلنج

ان حالات میں جب کہ امت مسلمہ کے اندر غیر معمولی قوی پہلو موجود ہیں، بعض کمزوریاں بھی ہیں اور ساتھ ہی مختلف خطرات و مطالبات کا سامنا بھی ہے، اہل داش اور کارکنوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں اور وہ کس طرح ان حالات کو بہتر بنائے کہتے ہیں؟ ایک تفصیل طلب موضوع ہے۔ اختصار کے پیش نظر سات نکات پر غور کیا جاسکتا ہے۔

۱- دین کے صحیح فہم کا حصول: اولین کرنے کا کام دین کے صحیح فہم کا حصول ہے یعنی قرآن و سنت سے براہ راست تعلق اور غور و فکر اور تفہیم کے بعد اسلام کے نظام حیات اور اس کے عمل اناذ کرنے کے ذرائع و حکمت عملی کو براہ راست قرآن و سنت سے اخذ کر کے نہ صرف خود سمجھنا بلکہ جدید ذرائع کے استعمال کے ذریعے انسانیت کو اس سے متعارف کرانا۔ یہ ایک صبر آزماء اور طویل عمل ہے جو مغرب و مشرق میں پائی جانے والی مسلمانوں کی تصویر (image) کی اصلاح کے لیے ایک شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲- مغربی فکر کا تنقیدی مطالعہ: دوسرا ہم کام مغربی فکر کا تنقیدی مطالعہ، جائزہ اور تجزیہ ہے تاکہ یہ بات سمجھی جاسکے کہ کیا مغربی فکر کی تقلید ہی ترقی کا زینہ ہے یا مغربی فکر خود اپنی ناکامی کی نشان دہی کرتی ہے اور ظاہر ہے جو خود گمراہ ہو وہ کسی اور کو کیا راستہ دکھائے گا۔ اس جائزے میں جذبات سے بلند ہو کر معروضت کے ساتھ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ مغرب میں وہ کون سی خوبیاں ہیں جو اس کی ترقی کا راز ہیں اور وہ کون سی خامیاں ہیں جن سے ہوشیار ہونے اور دامن چھانے کی ضرورت ہے۔ مغرب کے ذہن اور فکر کو سمجھے بغیر ہم مغرب کو اسلام کی دعوت نہیں

دے سکتے۔

۳- تحقیقی کلچر: تیرا اہم کرنے کا کام پیشہ و رانہ تھیوں اور اداروں میں تحقیقی کلچر کا پیدا کرنا ہے۔ وہ طبیبوں کی اسلامی تھیم ہو یا انحصاریوں اور علوم عمرانی کے ماہرین کی، ہر خصوصی شعبے میں تحقیق کے عمل کو آگے بڑھانے کے لیے اسکی فضائی پیدا کرنا ہو گی کہ لوگ جدید ترین علوم میں مہارت کے ساتھ اسلامی اصولوں کی روشنی میں مسائل کا حل خلاش کر سکیں۔

۴- گھر کا محاذ: چوتھی اہم توجہ طلب چیز گھر کے حاذ کا صحیح طور پر مرتب کرنا ہے۔ تہذیبوں کا ارتقا اور زوال براؤ راست گھروں کے تحفظ سے وابستہ ہے۔ اگر گھر میں انتشار ہو گا، تصاد ہو گا، یک جتنی نہ ہو گی تو تمام سائنسی ترقی کے باوجود تہذیب و تمدن پر زوال آ کر رہے گا۔ اس لیے گھر کے ادارے کو صحیح اسلامی خلطواط پر قائم رکھنے کے لیے غیر معمولی اقدامات کی ضرورت ہو گی۔

۵- افراد کا تعمیر کردار: پانچویں اہم چیز امت مسلمہ میں افراد کا کی تعمیر و تربیت اور نئے خون کو شامل کرنے کے لیے ایک ایسی حکمت عملی وضع کرنی ہو گی جو اندر وونی طور پر افراد سازی اور بیرونی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے تصور کے خلاف سے یکساں طور پر منافع پیدا کر سکے۔

اس میں ایک انتہائی سادہ حکمت عملی اندر وونی طور پر انسانی وسائل کی تیاری کے لیے یہ ہے کہ ہر وہ فرد جو تحریک سے وابستہ ہو وہ ایک ذاتی ہدف یہ بتائے کہ ۶ ماہ کے عرصے میں اپنے اردو گرد سے تین ایسے افراد کو جو خواہ اسلام کا مذاق اڑاتے ہوں اور تحریکات اسلامی پر تقدیمی کرتے ہوں، منتخب کر کے ان سے روابط بڑھائے گا اور اس عرصے میں ان کی غلط فہمیاں دُور کر کے، اپنے طرزِ عمل کی قوت سے انھیں مخالف نہ رہنے دے گا۔ اپنے اردو گرد کے ایسے ہی تین افراد کو منتخب کر کے جو بظاہر نہ مخالف ہوں نہ موافق، انھیں اپنی فکر کا ہمدرد بنالے گا۔ اور اسی طرح اپنے اردو گرد سے ۳۳ افراد کا انتخاب کر کے جو بظاہر اس کی فکر سے ہمدرد رکھتے ہوں انھیں اپنے اندر وونی حلقت میں شامل ہونے پر آمادہ کر لے گا۔ اس طرح ایک فرد ۶ ماہ میں ۹ افراد پر کام کر کے انسانی وسائل کی تعمیر میں لگ جائے گا۔ امت مسلمہ کو بعض ایک فرد کی خلصانہ جدوجہد سے ۹ گناہوت اور نیا سرچشمہ قوت (resource) میسر آ سکے گا۔

۶- عالمی سطح پر الفہام و تفہیم کے عمل کا آغاز: چھٹی چیز عالمی سطح پر بھی